12

رمضان المبارک کے متعلق ہدایات

(فرمودہ ۳ اپریل ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

رمضان کا مہینہ اپنے اندر ایسے فوائد رکھتا ہے اور وہ ایسی برکات اپنے ہمراہ لے کر آتا ہے کہ ان برکتوں کے سمجھنے والے بہت بڑے فوائد حاصل کرسکتے ہیں۔ لیکن تمام کے تمام لوگ ایک جیسے ایک مرتبہ اور ایک ہی حیثیت کے نہیں ہوتے۔ کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی حسیں بہت موٹی ہوتی ہیں اور وہ اپنے احساسات کے بہت کند اور موٹا ہونے کی وجہ سے چیزوں کی ماہیت اور ان کے باریک در باریک اثرات پوری طرح محسوس نہیں کرسکتے اور کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی حسیں بہت تیز ہوتی ہیں اور وہ اپنی تیزئی حس کی وجہ سے باریک در باریک حرکات کے اثرات کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام کے تمام انسانوں سے ہم یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ وہ ہر ایک چیز کے اثرات اور فوائد کو مساوی اور برابر محسوس کریں۔ کیونکہ جب ان کی حسیں مختلف ہیں تو وہ چیزوں کے اثرات کو یکساں کس طرح محسوس اور معلوم کرسکتے ہیں۔اور جب احساسات کا ایسا اختلاف ہے کہ بعض لوگ ایک چیز کے اثر کو اپنی حس کی تیزی کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں۔ اور بعض اپنے احساسات کے کند اور موٹے ہونے کے باعث مادی چیزوں کے اثرات کو بھی نہیں محسوس کرسکتے یا کم محسوس کرتے ہیں۔ تو پھر تمام انسانوں سے یہ امید کس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ عبادات کے اثرات کو بھی یکساں پوری طرح محسوس کریں۔

دنیا کی نہایت موٹی اور مادی چیزیں جن کے اثرات نہایت ظاہر اور نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کو محسوس اور معلوم کرنے کے متعلق جب ہم بنی نوع انسان کے اختلاف تفاوت اور مدارج کو دیکھیں تو حیرت آتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی ہمیں اس قسم کا نظر آتا ہے جو ایک برفانی علاقہ سے گزرتا ہے اور

اس وقت گزرتا ہے۔ جب، برف پڑ رہی ہے۔ بارش برس رہی اور ہوا تیز چل رہی ہے۔ مگر وہ اس برف باری اور بارش اور ہوا کی تیزی میں بھی ایک دن میں پندرہ پندرہ بیس بیس میل سفر کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ ان حالات میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ اور اگر اسے کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا ہے کہ برف کو کپڑوں اور ہاتھ پاؤں سے جھاڑ دیتا ہے اور پھر بڑی بے، پرواہی کے، ساتھ چل پڑتا ہے۔ پھر ہمیں ایک ایسا آدمی بھی نظر آتا ہے کہ جو اس برف میں بغیر بوٹ کے نہیں چل سکتا۔ اس کے پاؤں میں ایسے بوٹ ہوں جو برف کی سردی سے بچا سکیں تب وہ اس برف، میں، سفر کر سکتا ہے۔ پھر ایک تیسرا آدمی ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ بغیر موٹی جرابوں اور بوٹوں کے اس میں نہیں چل سکتا۔ پھر ایک، اور آدمی ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اس سردی اور برفانی علاقے میں، موٹی جرابوں اور بوٹوں کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا۔ جب تک کہ اس کے پاس کوئی گاڑی اور سواری کا انتظام نہ ہو۔ اسی طرح پھر ایسے لوگ بھی ہمیں نظر آتے ہیں کہ جو شہر کی گلیوں کی ہوا کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں کہ جو گھروں کے صحن میں نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کو نہ گلیوں کی ہوا موافق آتی ہے نہ گھروں کے صحنوں کی ہوا کو وہ برداشت کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ گھر کے کمرے میں آرام پاتے ہیں پھر ایسے کمزور بھی ہوتے ہیں کہ جو کمرے میں بھی بغیر آگ کے، نہیں بیٹھ سکتے اور پھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی حس اس قدر باریک ہوتی ہے کہ وہ آگ سے بھی آرام نہیں پاتے۔ ان کو گرم کپڑوں اور بسترے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ گنٹھیا وغیرہ شدید امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیا ان مختلف احساس والے انسانوں کے اس اختلاف اور کھلے کھلے فرق کو دیکھ کر کہ ایک شخص تو برف کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور ایک بند کمرے میں آگ اور گرم کپڑوں اور بستر کی موجودگی میں بھی اس سردی سے دکھ پاتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک ہی علاقہ میں ان تمام قسم کے آدمیوں کے لئے الگ الگ سردیاں ہیں۔ نہیں۔ سردی ایک ہی ہے۔ فرق اگر ہے تو احساسات کا فرق ہے کہ ایک تو تیز ہوا اور سردی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور اس کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ مگر ایک اس سردی میں گرم کپڑوں اور آگ سے بھی آرام نہیں پاتا۔ اسی طرح ایک وہ ہے جو سخت گرمی میں جس وقت تیز لو چل رہی ہو اور تمازت آفتاب سے بدن جھلسے جاتے ہوں۔ ننگے پاؤں گاتا ہوا بلکہ سر پر بوجھ اٹھائے ہوئے مزے کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ مگر ایک وہ ہوتا ہے کہ گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔ کمرہ چھڑکاؤ وغیرہ کر کے سرد کیا ہوا ہے۔ برف کا ٹھنڈا پانی اور شربت موجود ہے۔ اور خس کی ٹٹیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ہائے ہائے اور اف اف کر

رہا ہوتا ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں کے لئے الگ الگ گرمی پڑ رہی ہے۔ نہیں گرمی تو ایک ہی ہے ہاں دونوں کے احساسات میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک کی حس تو اتنی کمزور ہے کہ شدید سے شدید مشقت اور محنت کی بھی اسے ایسی گرمی میں کچھ پرواہ نہیں۔ اور ایک کی حس اتنی تیز ہے کہ وہ پنکھے اور برف کے پانی اور کمرے کو چھڑکاؤ وغیرہ سے سرد کر کے بھی تڑپتا اور بے چین ہوتا ہے۔ یہ تو ایک حس کا ذکر ہے اور انسان میں کئی حسیں ہیں۔ ایک سونگھنے کی حس ہے اس کے متعلق بھی دیکھ لو۔ کس قدر فرق ہے ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ناک کی حس اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ باریک درباریک اور خفیف سے خفیف بو اور خوشبو کو محسوس کر لیتے ہیں۔ اور میں تو کہوں گا ان کی اس حس کی تیزی ہی ان کی بہت سی بیماریوں کا موجب ہو جاتی ہے۔ میری یہ حس اس قدر تیز ہے کہ میں بھینس کا دودھ سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس نے کیا کیا چارہ کھایا ہے۔ لیکن ایک وہ لوگ ہوتے ہیں کہ خطرناک سے خطرناک بو والی گیس کی بو سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے بلکہ اس سے راحت محسوس کرتے ہیں۔

ایک شخص نے ایک طالب علم کا مجھ سے ذکر کیا کہ کالج میں اس کو ایک ایسی گیس سے جس کی بو تمام گیسوں سے بری تھی۔ ایسی مناسبت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ گیس کی نلکی کھول کر اپنی ناک کے ساتھ لگا کر لیٹا ہوا تھا۔ اسی طرح ہمارے پاس ایک ملازم تھا اسے مٹی کے تیل کی بو نہیں آتی تھی۔ وہ کہتا تھا لوگ یونہی کہتے ہیں کہ اس میں بو ہوتی ہے میں تو اس کو پی بھی جاتا ہوں۔ وہ بعض وقت دال میں بھی ڈال لیا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا بعض لوگ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کس طرح تیل پیتا ہے اسے پیسے دے کر تیل پلایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اس کو کہا پیرا (یہ اس کا نام تھا) اگر تو مٹی کے تیل کی بوتل پی جاوے تو میں تجھے آٹھ آنے دوں گا۔ چنانچہ وہ پی گیا۔ اب یہ حسوں کا ہی فرق ہے کہ ایک تو خفیف سے خفیف بو کو بھی محسوس کرتا ہے اور ایک کو مٹی کے تیل کی بو کا بھی کچھ احساس نہیں ہوتا۔ ایک میرے جیسا آدمی جو دودھ سونگھ کر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ بھینس نے کیا چارہ کھایا اور ایک دوسرا ہے جو سخت بدبودار گیس کی نلکی کھول کر اپنی ناک سے لگا کر کچھ بدبو محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو فرحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

جب اتنا فرق ان مادی امور میں پایا جاتا ہے تو کیسے نادان ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ روحانی امور کے اثرات چونکہ ہمیں معلوم نہیں ہوتے اس لئے ان کا کوئی فائدہ اور اثر نہیں۔ وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ نماز کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یا روزے کا کوئی اثر نہیں محسوس کرتے۔ تو یہ

کیسے معلوم ہو گیا کہ واقعہ میں نماز اور روزے کا کوئی اثر نہیں۔ اس کے تو محض یہ معنی ہیں کہ ان کی روحانی حس ایسی کمزور ہے کہ وہ نماز اور روزے کے اثر کو محسوس نہیں کرتے۔ کیا پیرے کے یہ کہنے سے کہ مٹی کے تیل میں مجھے کوئی بو نہیں آتی مٹی کے تیل میں بو نہیں رہتی۔ یا اس کی اس شہادت سے کوئی تسلیم کر سکتا ہے کہ واقعہ میں مٹی کے تیل میں کوئی بو نہیں اسی طرح کیا وہ شخص جو نہایت خطرناک بو والی گیس کی نلکی ناک سے لگا لیتا اور کہتا اس میں کوئی بو نہیں۔ اس کی اس شہادت سے کوئی یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ واقعہ میں اس گیس میں کوئی بو نہیں۔ اس طرح کیا وہ شخص جو سخت تیز دھوپ میں من یا ڈیڑھ من بوجھ اٹھائے ہوئے مزے کے ساتھ گاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس کی اس حالت سے کوئی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ دھوپ میں گرمی نہیں رہی۔ یا وہ شخص جو سخت سردی اور برف میں سفر کرتا ہے اور وہ اس سردی کو کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کو چونکہ سردی محسوس نہیں ہوتی اس لئے اس سردی اور برف کا کوئی اثر ہی نہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ جن کی حسیں باریک اور تیز ہیں کیا وہ بھی ایسی سردی یا گرمی یا بو کو محسوس کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایسے لوگ موجود ہوں اور بکثرت موجود ہوں تو پھر ان اشیاء کے اثر سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح روحانی امور میں بھی ہمیں ان لوگوں کو دیکھنا چاہیے جن کی روحانی حسیں تیز ہیں۔ اور وہ روحانی امور کے اثرات کو محسوس کرنے کے اہل ہیں۔ اگر ایسے لوگ بکثرت پائے جائیں جو نماز اور روزہ کے اثرات کو محسوس کریں اور وہ ان کے اثرات کی شہادت اور گواہی دیں تو پھر ان دوسرے لوگوں کو جن کی حسیں موٹی ہیں روحانی امور کے اثرات کو ماننا اور تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور خواہ ان کو ان کے اثرات محسوس نہ بھی ہوں تو بھی ان کے لئے انکار کی گنجائش نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے کسی شہر میں چند شہری آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ تل بہت گرم ہوتے ہیں۔ ایک پاؤ تل کوئی نہیں کھا سکتا۔ اگر کھائے تو فوراً بیمار ہو جائے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی پاؤ بھر تل کھائے اور بیمار نہ ہو جائے۔ اس گفتگو کے دوران ایک نے کہا اگر کوئی اتنے تل کھائے تو میں اسے پانچ روپے انعام دوں۔ کوئی زمیندار وہاں سے گزر رہا تھا۔ اور زمیندار بھی کوئی اکھڑ زمیندار تھا۔ وہ نہایت تعجب اور حیرت سے ان کی یہ باتیں سنتا رہا اور خیال کر رہا تھا کہ عجیب بات ہے ایسے مزے کی چیز کھانے پر پانچ روپے انعام بھی ملتے ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کے پوچھا ٹہنیوں سمیت کھانے ہیں یا بغیر ٹہنیوں کے۔ یہ اس نے اس لئے پوچھا کہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا

کہ بغیر ٹہنیوں کے پاؤ بھر تل کھانے سے پانچ روپے انعام کیونکر دیں گے۔ گویا وہ ٹہنیوں سمیت بھی کھانے کے لئے تیار تھا۔ حالانکہ باتیں کرنے والے اتنے تل کھانا ناممکن خیال کر رہے تھے۔ اب ان دونوں کے احساس میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک تو وہ ہیں کہ پاؤ بھر تل کھانے ناممکن خیال کرتے ہیں اور ایک وہ ہے کہ جو بمع ٹہنیوں کے کھانے کے لئے تیار ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ بغیر ٹہنیوں کے تو یہ بہت معمولی مزے کی بات ہے۔ اس پر کب پانچ روپے انعام مل سکتے ہیں۔

پس دنیا میں جس قدر فرق ہے وہ احساسات کا ہے۔ ورنہ نتائج اور کیفیات میں کوئی فرق نہیں۔ گرمی اور سردی جو اثر ایک تیز حس والے انسان پر کرتی ہے۔ وہی اثر ایک کم حس والے انسان پر بھی کرتی ہے لیکن ایک تو اس کے اثر کو محسوس کرتا ہے اور دوسرا انہیں احساسات کی کمی کی وجہ سے اس کے اثر کو محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح سورج کی روشنی کو لوگ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں مگر جو اس کے اثر کو محسوس کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یہ نہیں ہوتا کہ ان کو روشنی نہ پہنچ رہی ہو یا دھوپ کے جو اثرات ہیں وہ ان پر نہ ہو رہے ہوں۔ وہ اثرات دونوں پر ہوتے ہیں۔ ان پر بھی جو انہیں محسوس کرتے ہیں اور ان پر بھی جو محسوس نہیں کرتے۔ گو علیٰ قدر مراتب اثرات پہنچ رہے ہیں۔ مگر پہنچ ضرور رہے ہیں۔ آگے جو فرق ہے وہ ان کے احساس میں ہے۔

پس جب مادی امور میں علیٰ قدر مراتب اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ خواہ کوئی محسوس کرے خواہ نہ کرے۔ تو پھر یہ کس قدر غلط بات ہے۔ اگر ایک شخص نماز کے اثرات کو محسوس نہ کرکے یہ کہہ دے کہ نماز کا کوئی فائدہ یا اثر ہی نہیں۔ ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اپنے روحانی احساسات کی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی فائدہ مجھے نظر نہیں آتا اور اس کا اثر مجھے محسوس نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کا اثر اس کو بھی ہوتا ہے جو اس کے اثر کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس کو بھی جو محسوس نہیں کرتا۔ گو دونوں کو اثر علیٰ قدر مراتب پہنچتا ہے۔ مگر پہنچتا ضرور ہے۔

بہر حال روحانی معاملہ میں روحانی امور کے اثرات کے متعلق بھی ان لوگوں کی شہادت قابل قبول نہیں ہو سکتی جن کی روحانی حسیں کمزور اور کند ہیں۔ اور انہی کی بات تسلیم کرنی پڑے گی جو روحانی امور کے اثرات کے محسوس کرنے کے اہل ہیں۔ وہ اگر کہہ دیں اور شہادت دے دیں کہ نماز روزہ کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور ان کے اثر کو ہم محسوس کرتے ہیں تو پھر دوسرے لوگوں کو بھی جن کی حسیں موٹی ہیں اور وہ ان کے اثرات اور فوائد کو محسوس نہیں کر سکتے قبول کرنا پڑے گا کہ بے شک

ان کے فوائد ہیں۔ تو نمازوں اور روزوں میں ضرور فوائد ہیں۔ مگر ان کے اثرات کو وہی محسوس کرتے ہیں کہ جو اس کے اہل ہیں۔ گو دوسرے لوگ ان کو محسوس نہ بھی کریں لیکن ان کا فائدہ ان کو بھی ضرور پہنچتا ہے۔

میں نے دیکھا ہے قطع نظر اس سے کہ روزہ ایک عبادت ہے۔ اس میں ایسی روحانی راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے جو یقیناً جب روزہ نہیں ہوتا محسوس نہیں ہوتا۔ روزہ میں ایسی حالت ہوتی ہے گویا جس طرح سخت سردی اور بارش میں چلتے چلتے انسان ایک گرم مکان میں داخل ہو جائے۔ جس طرح وہ اس وقت گرمی سے یکدم آرام اور اطمینان میں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روزہ رکھ کر انسان اطمینان اور آرام حاصل کرتا ہے۔ لیکن ایسا احساس انہیں کو ہوتا ہے جن کی حس تیز ہوتی ہے۔ وہ اس کو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جس طرح وہ روزہ رکھنے سے پہلے روحانیت کے سورج سے دوری کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے تھے۔ لیکن روزہ رکھتے ہی وہ اس کے قریب آگئے اور ان کے اعصاب کو قرار اور اطمینان اور ایک قسم کا سکون حاصل ہو گیا۔

پس ایک شخص جس کی حس بہت موٹی ہو۔ وہ اگر کسی امر کے اثر کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے اس خیال کی وجہ سے باقیوں کے تجربے اور مشاہدے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک شخص کہتا ہے خدا کو میں نے نہیں دیکھا۔ خدا کوئی نہیں۔ لیکن دوسرے مشاہدوں کی اس شہادت کی موجودگی میں کہ ہم نے خدا کو دیکھا ہے اور وہ ہم کو نظر آیا ہے۔ اس کی بات کو کب وقعت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص جو یہ کہتا ہے کہ خدا کلام نہیں کرتا۔ اس کی اس بات کو ہم اس کا خیال کہہ سکتے ہیں۔ لیکن وہ لاکھوں انسان جنہوں نے خدا کے کلام کو سنا ہے اور وہ روحانی امور کے اثرات کے شاہد ہیں۔ ان کی شہادت کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پس روحانی امور میں بھی اسی طرح فوائد اور اثرات مرتب ہوتے ہیں جس طرح جسمانی اور مادی امور میں انسان نفع یا نقصان حاصل کرتا ہے۔ گو وہ محسوس کرے یا نہ کرے۔ مگر میرے نزدیک جس چیز سے دنیا کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار پہنچتا ہے۔ وہ ہر ایک امر کے اس نقطہ وسطی کو ترک کرنا ہے جس کے بغیر نیک نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ میں نے دیکھا ہے عام طور پر لوگ ایک پہلو کی طرف جھک جاتے ہیں۔ کئی ہیں جو نمازوں میں سست ہیں اور باقاعدہ وقت پر نمازیں ادا نہیں کرتے۔ کئی ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن باجماعت نماز نہیں پڑھتے۔ یا کم از کم باجماعت نماز ادا کرنے کا ان کو خیال نہیں ہوتا۔ لیکن روزوں کے ایام میں وہ روزوں کی ایسی پابندی کریں گے کہ خواہ ڈاکٹر بھی ان کو کہہ

دے کہ تمہارے حق میں روزہ اچھا نہیں اور تم خطرے میں پڑ جاؤ گے تب بھی وہ روزہ ترک نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ بیماری میں بھی روزہ رکھیں گے۔

پھر کئی ہیں جو چھوٹے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک فرض اور حکم کے لئے الگ الگ حدیں اور الگ الگ وقت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک بعض احکام کا زمانہ چار سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ سات سال سے بارہ سال تک ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ میرے نزدیک روزوں کا حکم پندرہ سال سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے بچے پر عائد ہوتا ہے اور یہی بلوغت کی حد ہے۔

میرے نزدیک اس سے پہلے بچوں سے روزے رکھوانا ان کی صحت پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ ان کے لئے ایسا ہوتا ہے جس میں وہ طاقت اور قوت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ پس جس زمانہ میں کہ وہ طاقت اور قوت کے ذخیرہ کو جمع کر رہے ہوتے ہیں اس وقت ان کی طاقت کو دبانا اور بڑھنے نہ دینا ان کے لئے سخت مضر ہے۔ دیکھو آئیل کے انجن یا دوسرے انجنوں کی زائد سٹیم چھوڑی جاتی ہے یہ کبھی نہیں کیا جاتا کہ جس وقت کہ سٹیم انجن میں تیار ہو رہی ہو اور کافی مقدار تک نہ پہنچی ہو اس وقت نکال دی جائے۔ دریا کو بند لگا کر دوسری طرف نہر کے ذریعے پانی کا رخ تبھی بدلا جاتا ہے جب کہ دریا میں پانی زیادہ ہو۔ لیکن اگر دریا میں پانی کافی نہ ہو تو پھر اس سے پانی نہیں نکالا جاتا پس جس زمانہ میں بچہ طاقت پیدا کر رہا ہو اس کو روزہ نہ رکھوانا چاہیے۔ تاوقتیکہ اس کی عمر پندرہ سال کی نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس سے پہلے بچہ پر روزہ فرض نہیں ہوتا۔ تو نہ صرف یہ کہ اس عمر میں بچوں سے روزے نہ رکھوائیں۔ بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ کیونکہ بچوں کو خود بھی شوق ہوتا ہے کہ روزہ رکھیں۔ بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے روزہ رکھوانا تو میرے نزدیک جرم ہے اور بارہ سال سے ۱۵ سال کی عمر کے بچے کو اگر کوئی روزہ رکھواتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر سے روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اٹھارہ سال کی عمر میں روزے فرض سمجھے جانے چاہئیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ ہمیں روزہ نہیں رکھنے دیتے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ ہمیں روزہ رکھنے کے متعلق کسی قسم کی تحریک کرنا پسند کریں ہمیشہ ہم پر روزہ کا رعب ڈالتے تھے۔ تو بچوں کی صحت کو قائم رکھنے اور ان کی قوت کو بڑھانے کے لئے روزہ رکھنے سے انہیں روکنا چاہیے۔ اس کے بعد جب ان کا وہ زمانہ آجائے جب وہ اپنی قوت کو پہنچ جائیں جو پندرہ سال کی عمر کا زمانہ ہے۔ تو پھر ان سے روزے

رکھوائے جائیں اور وہ بھی آہستگی کے ساتھ پہلے سال جتنے رکھیں دوسرے سال اس سے کچھ زیادہ اور تیسرے سال اس سے زیادہ رکھوائے جائیں۔ اس طرح بتدریج اس وقت ان کو روزہ کا عادی بنایا جائے۔

اس کے مقابلے میں میرے نزدیک ایسے لوگ بھی ہیں جو روزہ کو بالکل معمولی حکم تصور کرتے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی وجہ کی بناء پر روزہ ترک کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس خیال سے بھی کہ ہم بیمار ہو جائیں گے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں کہ آدمی خیال کرے میں بیمار ہو جاؤں گا۔ میں نے تو آج تک کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو یہ کہہ سکے کہ میں بیمار نہیں ہونگا۔ پس بیماری کا خیال روزے ترک کرنے کی جائز وجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر بعض اس عذر پر روزہ نہیں رکھتے کہ انہیں بہت بھوک لگتی ہے۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ روزہ رکھنے سے بھوک لگتی ہے۔ جو روزہ رکھے گا اس کو ضرور بھوک لگے گی۔ روزہ تو ہوتا ہی اس لئے ہے کہ بھوک لگے اور انسان اس کو برداشت کرے۔ جب روزہ کی یہ غرض ہے تو پھر بھوک کا سوال کیسا۔ پھر کئی ہیں جو ضعف ہو جانے کے خیال سے روزہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جس کو روزہ رکھنے سے ضعف نہ ہوتا ہو۔ جب وہ کھانا پینا چھوڑ دے گا تو ضرور ضعف بھی ہو گا اور ایسا آدمی کوئی نہیں ملے گا جو روزہ رکھے اور اسے ضعف نہ ہو۔ بلکہ اس کے اندر طاقت اور قوت پیدا ہو جائے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو یہ نشان بطور اعجاز عطا ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ مہینے متواتر روزے رکھے اور دو تین تولے سے زیادہ آپ کی غذا نہ ہوتی تھی۔ مگر آپ کو کوئی ضعف نہ ہوا۔ بلکہ معجزانہ طور پر اس سے آپ کو طاقت اور قوت حاصل ہوئی۔ اس معجزانہ حالت سے الگ ہو کر کوئی آدمی ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جسے روزے سے ضعف نہ ہو۔ اس لئے اس وجہ سے بھی روزہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔

روزہ ایسی حالت میں ہی ترک کیا جا سکتا ہے کہ آدمی بیمار ہو اور وہ بیماری بھی اس قسم کی ہو کہ اس میں روزہ رکھنا مضر ہو۔ کیونکہ شریعت کے احکام بیماری کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بیمار کے لئے اجازت ہے کہ وہ تیمم کرے۔ لیکن کسی کو بیماری اس قسم کی ہو کہ وضو کرنا اسے کوئی نقصان نہ دیتا ہو۔ بلکہ اس بیماری میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اسے فائدہ ہوتا ہو۔ تو باوجود بیمار ہونے کے اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح وہ بیماری کہ جس پر روزے کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس کی وجہ سے روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہو گا۔ بیماری سے مراد وہی بیماری ہو گی جس کا

روزہ سے تعلق بھی ہو۔ اور ایسی حالت میں خواہ بیماری کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اس میں مبتلا روزہ ترک کر سکتا ہے۔ کیونکہ جب روزہ کا مضر اثر اس بیماری پر پڑتا ہے تو وہ بڑھ جائے گی۔

میرے نزدیک نزلہ خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ ایسی بیماری ہے جس کا روزہ سے تعلق ہے اور ایسے لوگوں کے لئے جنہیں نزلہ ہوتا ہے روزے رکھنے بہت مضر اور بڑے نقصان کا موجب ہوتے ہیں۔ نزلہ کے نتیجہ میں انسان کو پیاس زیادہ لگتی ہے۔ اب روزے کے ساتھ جب وہ پیاس کو دبائے گا تو وہ اور بھی زیادہ بڑھے گی اور یہ نزلہ کے لئے بہت مضر ہے۔ پس بسا اوقات بعض بیماریاں دیکھنے میں تو معمولی ہوں گی۔ لیکن روزے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کا نقصان بہت بڑا ہو گا۔ اس لئے ایسی بیماری میں روزہ نہ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح بعض بیماریاں دیکھنے میں بہت بڑی ہوں گی۔ لیکن روزے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے روزہ ان میں ترک کرنا جائز نہیں ہو گا۔ اور بعض اوقات تو خود روزہ صحت کا باعث بن جاتا ہے۔ میں اپنی ذات کے متعلق ہی بتاتا ہوں۔ میں عام طور پر بیمار رہتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی بیماری کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کی سمجھ دی ہے۔ کہ اس پر روزہ رکھنے سے کیا اثر پڑے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس میں غلطی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض دفعہ میرا اندازہ بھی غلط نکلتا ہے۔ انہی ایام میں میں نے اپنی حالت کا جب اندازہ لگایا تو میں نے محسوس کیا کہ اگر میں روزہ رکھوں تو برداشت نہیں کر سکوں گا۔ مگر بیماری پر اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ تجربہ کے طور پر میں نے پہلا روزہ رکھا۔ جس سے نہ صرف کوئی نقصان نہ ہوا بلکہ طبیعت میں بشاشت پیدا ہوئی۔ تب میں نے سمجھا اپنی بیماری کے متعلق جو میرا خیال تھا کہ شائد روزہ رکھوں تو کوئی نقصان نہ ہو۔ وہ ٹھیک ہے۔ اور جو خطرہ تھا کہ ممکن ہے نقصان ہو وہ غلط تھا۔ پس جس بیماری پر روزہ کا کوئی اثر نہ ہو اس پر اس بیماری کا حکم عائد نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے روزہ ترک کر دیا جائے۔ ہاں اگر روزہ کا بیماری پر اثر پڑتا ہو اور جس حالت میں ڈاکٹر یہ مشورہ دے کہ اس بیماری میں روزہ سے نقصان پہنچے گا۔ اس میں روزہ ترک کرنا چاہیے۔ پس جہاں میں بلا وجہ اور بلا عذر روزہ نہ رکھنے کے سخت خلاف ہوں۔ وہاں میں ان لوگوں کے اجتہاد کا بھی قائل نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انسان جب مرنے لگے تب روزہ چھوڑے۔ ورنہ نہ چھوڑے ۔ ایسا کوئی حکم شرع میں نہیں آیا۔ قرآن کریم میں صاف حکم فمن کان منکم مریضا" (البقرہ ۱۸۵)

پس جس مرض پر کہ روزے کا برا اثر پڑتا ہو۔ خواہ نزلہ ہی ہو مثلاً مجھے اگر نزلہ ہو۔ تو میں روزہ نہ رکھوں گا پس ایسے مرض میں خواہ وہ خفیف ہی ہو روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی روزہ

رکھے تو اس کا روزہ نہیں ہو گا۔ بلکہ اس کے بدلے اس کو پھر روزہ رکھنا پڑے گا۔ پس جو لوگ محض ایک ہی طرف جھک جاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو درمیانی حالت اختیار کرنی چاہیے۔ اور ان مبارک دنوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ یعنی جب تو ایسی بیماری ہو جس پر روزہ کا برا اثر پڑتا ہو تو خواہ کتنی ہی خفیف ہو روزہ نہ رکھنا چاہیے۔ اور اس معاملہ میں لوگوں کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یا کیا کہیں گے۔ ایسی حالت میں جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ خواہ بیمار ہیں مگر ہم برداشت کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ برداشت کا تو سوال ہی نہیں - سوال تو بیماری کا ہے۔ ہر بیماری جو روزے سے بڑھے اس میں روزہ مت رکھو۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایسا بھی نہ کرو کہ محض وہموں کی بناء پر روزہ ترک کر دو کہ شائد روزہ رکھنے سے ہم بیمار نہ ہو جائیں۔ یا روزہ رکھنے سے ہم کمزور ہو جائیں گے۔ اس طرح روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

ایک کمزوری تو بڑھاپے کی وجہ سے یا دائمی بیماری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ لیکن ویسے جس کو کمزوری رہتی ہو ایسی حالت والوں کو بھی جب تک کہ ڈاکٹر مشورہ نہ دے روزہ رکھنا چاہیے۔

میں دوستوں کو پھر اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ افراط تفریط سے کام نہ لیں۔ اور اس مبارک مہینے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اور اپنی روحانیت کو بڑہائیں۔ جس طرح حس کم ہوتی ہے وہ بڑھتی بھی ہے۔ اسی طرح احساسات بھی بڑھ سکتے ہیں اور انسان اپنے جسم کے اندر روحانیت کا ایک نمایاں اثر محسوس کرتا ہے۔

چونکہ یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اس لئے میں نے اس کے متعلق خطبہ پڑھا ہے۔ اور چونکہ اس مبارک مہینہ میں دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں اس لئے میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی ترقی کے لئے دعائیں کریں اور سلسلہ کے راستوں میں جو روکیں ہیں ان کے دور ہونے اور کابل کے مظلوم بھائیوں کے لئے اور اس ملک میں بھی اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے بہت بہت دعائیں کریں۔

(الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء)